⊙ ڈاکٹر میر یوسف میر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی، مظفر آباد

⊙⊙ ڈاکٹر محمد الطاف یوسفزئی

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

⊙⊙⊙ ڈاکٹر انتل ضیا

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی، پشاور

کئی چاند تھے سرِ آسماں میں کشمیر کے متنوع رنگ

Abstract:

This research paper is an attempt to highlight the natural beauty of Kashmir through a novel by Prof. Dr. Shams-ur-Rehman Farooqi "Kai Chand theSarAsmaan". This novel also brings to the fore the lost roots of our history. Prof. Dr. Shams-ur-Rehman Farooqi has skillfully mapped the areas of Kashmir, its customs and occupations, especially the professions. While reading this novel, the reader feels that he is not reading the novel but is present on the spot. Kashmir in "Kai Chand the SarAsmaan" and especially the description of its customs, traditions and beauty with great care certainly adds value to the novel. The people of state have called Kashmir as the paradise on earth. This region is the best example of nature's bounty due to its aesthetic and spiritual beauty. It makes the viewer fall in love. It is natural and natural for the landscape to be the subject of literature in a land whose power has been endowed with such abundant beauty and whose landscape is unique and exemplary in the whole world.

Keywords:

Aesthetic, Divine, Abundant, Paradise, Occupations, Endowed, Landscape, Sub-continent, Unique and exemplary

خطہ کشمیر کو اپنے جمالیاتی وملکوتی حسن کی بدولت دنیائے ادب میں طلسماتی حیثیت حاصل ہے۔اس لیے کشمیر اردو ادب کا ایک اہم موضوع ہے اور مختلف اصناف میں تخلیق کاروں نے اس موضوع کی مختلف جہات، جغرافیائی محلِ وقوع، سیاسی، تہذیبی، فکری، ادبی، نفسیاتی، جمالیاتی او رروحانی عوامل کے ساتھ ساتھ جارح قوتوں کے استحصال اور دو مما لک کے دعویٰ ملکیت کے درمیان نظریاتی اور سماجی تفاوت پر تواتر کے ساتھ اور متنوع انداز میں اس طرح لکھا گیا ہے کہ یہ موضوع انسان اور انسانیت سے ہم آہنگ ہو کر ادب عالیہ کا ایک اہم اور بنیادی موضوع بن گیا ہے۔کشمیر کے حسن کی خوش بو سے پوری دنیا معطر رہی ہے۔اسی لیے تو یونانیوں، چینیوں، فرنگیوں، عربیوں، ہندوستانیوں اور دیگر مسلم و غیر مسلم اقوام عالم کی مختلف ملکی و غیر ملکی زبانوں کے کلاسیکی و جدید تذکروں میں لفظ کشمیر بہ طور خاص استعمال ہوا ہے۔بڑے بڑے ادبا اور شعرا نے کشمیر کی خوب صورتیوں، حالات واقعات ومسائل اور کشمیری قوم کے جذبات واحساسات کو اس طرح عقیدت سے بیان کیا ہے کہ ادب میں کشمیر ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے سامنے آیا ہے۔پروفیسر اعجاز احمد لکھتے ہیں:

> ''صاحب ذوق لوگوں نے کشمیر کو فردوس برروئے زمین است اور ایران صغیر کہا ہے۔تخلیق کاروں نے کشمیر کے تہذیبی، تمدنی، سیاسی اور نفسیاتی عوامل، اس کے حسن کے دل پذیر مراقعے، ان کے مکینوں کی زندگی، ان کا حسن، کشمیر کی رومان پرور فضا، تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ ساتھ کشمیر کے استحصال کی مختلف صورتوں کو مختلف انداز اور اصناف میں جو بیان کیا ہے، بلاشبہ دیدنی ہے۔یہ خطہ اپنے جمالیاتی اور روحانی حسن کی وجہ سے قدرت کی فیاضی کی بہترین مثال ہے۔اس کا حسن دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتا ہے۔جس سر زمین کو قدرت نے اس قدر فراواں حسن بخشا ہوا ہے اور جس کے لینڈ اسکیپ پوری دنیا میں منفرد اور اپنی مثال آپ ہوں اس کے مناظر کا ادب میں موضوع بننا قدرتی اور فطرتی بات ہے۔''(۱)

دل نشین اور سرور آگیں کشمیر کا ذرہ ذرہ محبت، حسن اور عشق کی دولت سے معمور ہے۔تصویر کشمیر کے نقش ونگار اور خدوخال ابھارنے نکھارنے اور ان میں خوب صورت رنگ برنے میں اہل قلم کا نمایاں حصہ ہے۔کشمیر کی محبت، الفت اور چاہت کی آنکھ سے دیکھنے اور پیار کی ان مٹ سیاہی سے احاطہ تحریر میں لانے والوں نے اس کے ایک ایک نقش کو نقش آرزو کی طرح اپنے دل پر مرتسم کیا ہے۔شعرا اور ادبا نے کشمیر کے خدوخال میں قوس قزح کے دل کش اور پرکشش نظارے پلکوں کی محرابوں میں سجائے ہیں اور اس کے حسن پہ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔کشمیر کا یہ حسن پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لایا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے شہرہ آفاق ناول کئی چاند تھے سرِ آسماں میں کشمیر کو خاص موضوع بنایا ہے۔'باغ' کشمیر کے نام سے ایک الگ موضوع ہے جب کہ باقی کچھ موضوعات میں بھی تذکرے ہیں۔ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کا یہ شہرہ آفاق ناول ''کئی چاند تھے سرآسمان'' اپریل ۲۰۰۶ میں منظر عام پر آیا، اس ناول کا عنوان ''کئی چاند تھے سرِ آسمان'' ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروق نے اپنے ایک عزیز دوست احمد مشتاق کے درج ذیل شعر سے مستعار لیا ہے:

کئی چاند تھے سرِ آسمان کہ چمک چمک کے پلٹ گئے
نہ لہو میرے ہی جگر میں تھا نہ تمہاری زلف سیاہ تھی

''کئی چاند تھے سرِ آسمان'' میں مغلیہ دور کی دم توڑتی ہوئی روایات اور زوال پذیر معاشرے کے آخری زمانے کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ پورا ایک عہد اور تاریخ نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔اس ناول میں انگریزوں کی ہندوستان میں آمد کے بعد مغلیہ تہذیب وثقافت کی شکست، اپنی انا کے مجروح ہونے کا احساس، مقامی آبادی پر انگریزوں کے اثرات اور نوآبادیاتی نظام کے منفی اثرات کا تفصیل سے احاطہ کیا گیا ہے۔ناول میں بہادر شاہ ظفر کی نام نہاد حکومت اور انگریزوں کے اختیارات کی حقیقت کے پردے کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔پروفیسر افضال عالم نے درست لکھا ہے:

''پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کا یہ ناول بلا شبہ اکیسویں صدی کا ایک بڑا ناول ہے۔اس میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہنداسلامی تمدن، انسانی تہذیب وادبی معاشرہ، انگریزوں کی سیاسی چپقلش، اس دور کی بدلتی ہوئی زوال پذیر تہذیب اور تاریخی پیکر کو موضوع بنایا گیا ہے۔یہ ناول جہاں ایک جانب پورے برصغیر کی تاریخ ہے دوسری طرف ریاست جموں وکشمیر کے کچھ تاریخی، جغرافیائی، سماجی پہلو بھی اس میں سمیٹے گئے ہیں۔بالخصوص آزاد کشمیر کے مختلف مقامات اور مختلف علاقوں کا ذکر شد و مد سے کیا گیا ہے۔یوں یہ ناول بہ حیثیت کشمیری ہماری تاریخ کے بھی گم شدہ جھروکوں کو بھی سامنے لاتا ہے۔''(۲)

پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ناول میں جا بہ جا کشمیر کی عنبرین خاک، خنک فضاوں، شفاف پانی کے چشموں، گہر بار آبشاروں اور اونچی اونچی پہاڑویوں کی رعنائیوں اور دل آویزیوں کے حسین مرقعے کھینچے ہیں۔تہذیبی و ثقافتی تذکرے، کشمیر کے مقامات اور دیگر کئی خصوصیات کا خوب صورتی اور عقیدت سے ذکر موجود ہے۔ناول کے پانچویں باب ''تصویر'' میں ہی دو کشمیری بھائیوں محمد داود بڈگامی اور محمد یعقوب بڈگامی کے ساتھ ساتھ کشمیر کا تذکرہ یوں چھڑتا ہے:

''میرا نام محمد یوسف سادہ کار ہے، میں کشمیری الاصل ہوں لیکن اصل معاملہ میرا اتنا سادہ نہیں۔سادہ کاری ہمارا آبائی پیشہ نہیں۔میرا باپ محمد یعقوب بڈگامی اور اس کا بھائی محمد داود بڈگامی یہ لوگ کشمیر میں مدت سے رہ رہے تھے لیکن درحقیقت داود بڈگامی اور یعقوب بڈگامی اصلاً یہاں کے نہ تھے۔''(۳)

اسی طرح ناول کے ساتویں باب "میاں مخصوص اللہ" جو ناول کا ایک اہم کردار ہے، اتر پردیش سے نکل کر کشمیر میں آجاتا ہے اور پھر اس پہ کشمیر کے حسنِ بے نظیر کا ایسا جادو چھا جاتا ہے کہ کشمیر کی سحر آفرینی سے جدائی کا تصور محال و دشوار ہو کر وہاں ایک کشمیری خاتون سے شادی کر لیتا ہے۔اسی طرح ناول میں کشمیر کے ایک عام کوہستانی سنگم اور فرحت بخش مقام بارہ مولہ کی خوب صورتی نغمہ زنی کیف ومستی کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی میاں مخصوص اللہ کی ساری کہانی اور پھر اس خاندان کی ہجرتِ کشمیر کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ کشمیر کے خوب صورت مقامات کے سارے مناظر قاری کی آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں:

''صبح جب خوب چمک چکی تو وہ اس شاہراہ کے قریب پہنچے جو دہلی سے میرٹھ، بیانہ، ریواڑی، کوٹا کو چھوتی ہوئی دائیں مڑ کر سیدھی شمال کو لاہور اور پھر اس سے آگے شمال مغرب کی جانب گھوم کر گجرانوالہ، وزیر آباد، جہلم، راولپنڈی اور پھر شمال مشرق میں سرینگر سے ہوتی ہوئی بارہ مولا تک چلی جاتی ہے۔''(۴)

کشمیری بہادر اور جفاکش قوم ہے اس کی خوب صورتی کی مثال تو دنیا میں کئی نہیں ملتی۔یہاں کے لوگ انفرادی

حسن کے مالک ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی نے کمال مہارت سے کشمیر کے علاقوں وہاں کے رسم و رواج بالخصوص پیشوں کا باریک بینی سے نقشہ کھینچا ہے۔ کشمیریوں کی محنت اور اس خطہ کی خوب صورتی کو زیرِ قلم لایا ہے۔ اس ناول کو قاری پڑھتے ہوئے ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ ناول نہیں پڑھ رہا بلکہ موقع پر موجود ہے۔ یہی شمس الرحمٰن فاروقی کے اس ناول کا اثاثہ بھی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی رہنے والے آلہ آباد کے تھے مگر کشمیر سے ان کی محبت یہاں الفاظ کی صورت میں ڈھلکتی ہے کہ کس فن کارانہ انداز میں وہ کشمیر کی حسین لڑکیوں کی نازک انگلیوں اور لچک دار کلائیوں میں نازک اور سبک کی صلابت کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں:

> ''جب قافلہ بارہ مولا پہنچا تو میاں چیترا بہت ساری راجپوتانی بولی بھول چکا تھا اور کیسے نہ بھولتا ان اطراف میں نہ تو وہ جڑی بوٹیاں تھیں اور نہ وہ پتھر اور پانی، نہ کیڑے مکوڑے اور سب سے بڑھ کر نہ وہ دیویوں جیسی قد آور اور سنہرے تامڑے رنگ کے ہاتھ پاوں والی حسین لڑکیاں جن کے ہتھوڑے کی ایک ضرب سے لاجورد یا زبرجد کا بظاہر مٹ میلا ڈلا تین ٹکڑے ہو جاتا۔ کشمیر کی نازک انگلیوں اور لچک دار کلائیوں میں وہ صلابت نہ تھی اور نہ ان کے ہاتھ لکڑی کے ان ہتھوڑوں کے لیے بنے تھے جو دیکھنے میں نازک اور سبک لیکن درحقیقت اتنے سخت ہوتے تھے کہ مناسب زاویے سے پتھر پر چوٹ ڈالتے ہی اپنا کام کر ڈالتے تھے۔''(۵)

کشمیر کی گنگناتی ندیاں محوِ خرام، فضائیں نکہتوں سے معمور، پھولوں کے قافلے خیمہ زن اور سنبلستانوں کی لطافتیں دعوت نظارہ دیتی ہیں۔ اونچے اونچے چنار، صنوبر، چیڑ اور دیودار کشمیر کی عظمت کے پرچے ہیں۔ یہاں دنیا میں دیودار کی سب سے اعلیٰ لکڑ موجود ہے کشمیر میں لکڑ پر کشیدہ کاری کا کام تو پوری دنیا میں مشہور ہے۔ کشمیر کو پھولوں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے، چنار کشمیر کا قومی نشان بھی ہے ان ہی چناروں کی وجہ سے اس وادی کے قدرتی حسن کے چرچے دنیا بھر میں ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی بھی ناول میں کشمیر کے سر بفلک پہاڑوں، پر اسرار کالے دیوداروں، برف کی قلموں، کشمیر کے رنگ برنگ پھولوں اور چناروں کی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مقامات کا یوں ذکر کیا ہے:

> ''یہاں تو سر بفلک سرو کے پیڑ تھے، مغرور، سرافراز، پُراسرار کالے دیوار تھے۔ بھاری بھرکم اتنے گھنے اتنے بے خود پیچیدہ کہ لگتا تھا کوئی پرندہ انھیں اپنا مسکن نہ بناتا ہوگا۔ ان کی شاخوں پر گرم نوا بھی نہ ہوتا ہوگا۔ اور یہ خود بھی کسی چرند پرند سے بات نہ کرتے ہوں گے، سر بھی نہ ہلاتے ہوں گے۔ برف کی قلمیں جب ان کی ڈالی ڈالی اور پھر پتی پتی پر پھوٹ نکلتی ہوں گی تو بھی یہ کہتے کچھ نہ ہوں گے۔ اور رہے وہ پھول جو بارہ مولا میں جہلم کے کنارے برف کے مہینوں کے سوا سارے برس کسی نہ کسی رنگ میں کھلتے رہتے تو ان کی پتیاں اتنی ہلکی اور پنکھڑیوں کی رگیں اس قدر باریک ہوتی تھیں کہ مخصوص اللہ کو چنار اور کنژم کے بڑے پتوں کا ڈھانچہ بنانے میں بڑا لطف آتا تھا۔''(۶)

ابدی صداقتوں کو جاننے اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے مناظرِ فطرت کی فراوانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کشمیر خالقِ کائنات کے مناظر سے بھری پڑی ہے۔ اسی لیے تو یہ خطہ ہر عہد میں مذہب و روحانیت کا مرکز رہا۔ ڈاکٹر

ایس۔ایم ناز لکھتے ہیں:

''کشمیر کی پرسکون اور گل پوش وادی ہر مذہب کے فقرا اور درویشوں کے لیے ہمیشہ باعث کشش رہی، اس لیے نہیں کہ یہ فقیر اور درویش حسن و عشق یا عیش و عشرت کے دل دادہ تھے، بلکہ اس لیے کہ قدرت نے اس خطہ دل پذیر کو بعض ایسی فیاضیوں اور خوبیوں سے نوازا ہے، جو ابتدائے آفرینش سے اسی کا مقدر ہیں۔گرد و پیش کا ماحول اس قدر پر کیف آفریں کہ عشق مجازی کے دل دادہ بھی عشق حقیقی میں کھو جائیں۔ایسے میں کون ہوں گے جو اپنے رب کو یاد نہ کریں اور مالک حقیقی سے لو نہ لگائیں۔''(۷)

کشمیر کو اولیا اللہ کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے،حضرت شاہ ہمدان اور دیگر اولیا اللہ کی تعلیمات کی بدولت یہاں ہزاروں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔متعدد اولیاء اللہ نے بھی اس وادی کو اپنا مسکن بنایا۔سری نگر سمیت وادی کشمیر میں اولیاء اللہ کے مزارات آج بھی ہر خاص و عام کی توجہ کا مرکز ہیں اور ان مزارات و مقابر کو روحانی قندیلوں کی حیثیت حاصل ہے۔چرار شریف میں حضرت شیخ نورالدین ولی کا مزار واقع ہے جہاں روزانہ ہزاروں کشمیری حاضری دیتے ہیں۔ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں کشمیر کی پرسکون اور گل پوش وادی کی ایک صبح کا منظر میاں مخصوص اللہ کے کرادر میں یوں بیان کرتے ہیں:

''چوتھی صبح کو میاں مخصوص اللہ خود سے اٹھ کھڑا ہوا۔فجر کی اذانیں ابھی ہوئی نہ تھیں لیکن میاں نماز کا کچھ خاص پابند بھی نہ تھا،کبھی کبھی وہ چرار شریف کے شیخ العالم حضرت نورلدین ولی کی منقبت میں ایک قصیدہ نما گیت ضرور گاتا۔بس یہی تو مجھ میں تجھ میں فرق ہے''۔(۸)

دریا، کہسارے، آبشاریں، جھرنے، ندی نالے کشمیر کے قدرتی حسن میں بے پناہ اضافہ کرتے ہیں۔اس قدرتی حسن کو دیکھنے دنیا بھر سے لوگ دیوانہ وار اس خطہ اراضی میں چلے آرہے ہیں۔ریاست کے سب سے بڑے دریائے جہلم کا منبہ چشمہ ویری ناگ ہے۔یہ دریا سری نگر شہر سے گزرتا ہے۔بارمولہ سے ہوتے ہوئے چکوٹھی سے آزاد کشمیر میں داخل ہوتا اور پھر یہ آزاد پتن سے پاکستان میں داخل ہو جاتا ہے اور پاکستان کی زمینوں کو بھی سیراب کرتا ہے۔اس دریا نے اب تک لاکھوں کشمیریوں کے لہو سے بھی اپنی پیاس بجھائی۔اس ناول میں بھی اس دریا کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

''مجھے چرار شریف کے دربار سے وہی گرمی ابلتی محسوس ہوتی ہے جو ویرناگ کے چشمے پر ٹھنڈی ہو کر جہلم بن جاتی ہے اور سارے کشمیر کو سیراب کرتی ہے۔''(۹)

کشمیر کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس وادی کے معرض وجود میں آنے سے قبل یہاں جھیل تھی،اب بھی وادی میں موجود جھلیں اس کے قدرتی حسن کو چار چاند لگا رہی ہیں،جھیل ڈل سری نگر شہر کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے وہیں ہزاروں لوگوں کا اس سے روزگار بھی وابستہ ہے،سری نگر شہر کے وسط میں جھیل ڈھل میں موجود شکاروں میں کوئی انسان رات بسر کر لے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا میں نہیں بلکہ جنت میں موجود ہے۔اس کے علاوہ جھیل وولر،جھیل مانس بل،جھیل ڈل،جھیل رتی گلی سمیت دیگر جھیلیں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہیں۔گل مرگ،سونا مرگ، پہلگام، گاندربل، اچھی بل جیسے سیاحتی مقامات کو جو ایک بار دیکھ لے وہ اسے بار بار دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔پروفیسر شمس الرحمٰن

فاروقی بھی کشمیر کی جھیلوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ناول میں کشمیر کی جھیلوں اور کشمیر کے دیگر مقامات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> ''اسے معلوم تو تھا بس اتنا کہ مانس بل کی جھیل پر غروب آفتاب کے صد ہا رنگ ہیں اور اتنے باریک فرق والے متنوع رنگ کہ میرا قلم ان کو بیان نہیں کر سکتا، اگر یوس مرگ کی اونچی، مرطوب ہواوں کی گود میں پلی ہوئی چوٹی پر بسے ہوئے گاوں کے گرداگرسیاہ دیودار سر بفلک یوں کھڑی ہیں کہ سورج کی کرن وہاں سبزی مائل معلوم ہوتی ہے گویا سارا گاوں ہلکے پانی کی تہ میں غرق ہو، اگر بارمولہ کے آگے دریائے جہلم کو چڑھائی سے اترتا دیکھیں اور اس کے پھواروں میں سبز اور نیلا اور سرخ رنگ آنکھ مچولی کھیلتے دیکھیں اور اگر اچھی بل کے فواروں کا پانی بالکل شیشے کی قلم جیسا سفید ہو تو میرا دنیا میرا کشمیر ہے۔''(۱۰)

کشمیر کو جہاں قدرت نے بے پناہ قدرتی حسن سے نوازا وہاں بہت سے وسائل سے بھی مالا مال کیا یہاں دنیا کا بہترین زعفران پیدا ہوتا ہے، دنیا کی بہترین قالین سازی اور بہترین کشیدہ کاری بھی یہاں ہوتی ہے علاوہ ازیں کشمیر میں جا بہ جا سفیدے اور چیڑ کے درخت اس کے قدرتی حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی یوں کشمیری قالینوں، عطرِ زعفران اور کشمیر کے درختوں کا ناول میں تذکرہ کرتے ہیں:

> ''دونوں ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جس کے چوبی فرش کا زیادہ تر حصہ قیمتی قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا فضاء میں عطر زعفران کی ایک خفیف سی مہک تھی چیڑ اور سفیدے کے خوشبو عطر زعفران سے مل کر نئی بہار دے رہی تھی۔''(۱۱)

بڈگام ریاست جموں وکشمیر کا ایک ضلع ہے، پہلے یہ سری نگر کے ساتھ منسلک تھا۔۱۹۷۹ء میں اسے الگ ضلع کا درجہ دیا گیا، اس کی سرحدیں ضلع بارہ مولہ، سری نگر پلوامہ اور پونچھ سے ملتی ہیں یہاں کا ریشم اور شہد مشہور ہے موجودہ صورت حال میں اسے ایک شورش زدہ ضلع بھی گردانہ جاتا ہے اس ضلع کے بار بار تذکرے اس ناول میں ملتے ہیں:

> ''بڈگام کی نسبت سے دونوں محمد داود بڈگامی اور محمد یعقوب بڈگامی کہلائے۔''(۱۲)

آٹھویں صدی ہجری میں وادی کشمیر میں للہ عارفہ ایک شخصیت گزری ہے۔ہندو کہتے ہیں کہ یہ خاتون ہندو تھی اور ان کا نام لل ایشوری تھا، مسلمان کہتے ہیں کہ مسلمان تھیں انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، کشمیر کے مسلمان ان کو احتراماً لل ماجیؒ (بزرگ خاتون) کہتے ہیں۔صوفیائے کشمیر کے تذکروں میں ان کو مسلم اولیاء اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔کشمیر کے نامور صوفی شیخ نورالدین ولی اللہ عارفہ کے رضاعی فرزند اور عقیدت مند تھے۔للہ عارفہ کشمیری زبان کی خوش گو شاعرہ بھی تھیں۔ملا طاہر غنی المعروف غنی کشمیری بھی کشمیری شاعر تھے۔علامہ اقبال نے اپنی مشہور فارسی تصنیف ''جاوید نامہ'' میں غنی کشمیری کو شاعر رنگین نوا کے نام سے یاد کیا ہے۔ناول میں ان دونوں کشمیری شعرا کا ذکر یوں عقیدت سے کرتے ہیں:

> ''ہاں گلے دونوں نے بہت اچھے پائے تھے اور وہ لل دید کا کشمیری عارفانہ کلام اور ملا طاہر کی فارسی غزلیں یکساں مہارت اور ذوق وشوق سے گاتے تھے۔رفتہ رفتہ بھائیوں کی جوڑی سارے کشمیر میں مشہور ہوگی۔کبھی تجارت اور کبھی موسیقی انہیں اکثر بڈگام کی وادی کشمیر کے بھی بہت آگے دور

افتادہ علاقوں میں لے جاتی۔"(۱۳)

وولر جھیل کشمیر کی سب سے بڑی جھیل ہے جو سری نگر کے قریبی قصبے سوپور میں واقع ہے۔ یہ قصبہ کشمیر کے خوب صورت مقامات میں شامل ہے۔ تحریک حریت کے قائد سید علی گیلانی کا تعلق بھی اسی علاقے سے ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی وولر جھیل کی خوب صورتی کی یوں منظر کشی کرتے ہیں:

"یہ وولر جھیل ہے کوئی بولا اور چاروں طرف چاول کے کھیت ہیں۔"(۱۴)

پروفیسر ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کے شہرہ آفاق ناول "کئی چاند تھے سر آسماں" میں آزاد کشمیر کے ضلع کوٹلی کا تذکرہ بھی ملتا ہے، یہ علاقہ سال ۱۹۵۷ء تک ضلع میرپور کی ضلعی تقسیم میں تھا، بعدازاں اسے الگ ضلع کا درجہ دے دیا۔ کوٹلی کو مسجدوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ ناول میں یوں تذکرہ ہے:

"جب اس کا قافلہ جہلم کے بہت آگے وادی کشمیر کے پہلے پڑاو کوٹلی پہنچا اور اس نے دو راتیں وہاں کچھ جاگ کر اور کچھ سو کر، کچھ ابتہاج و مسرت کے جذبے سے سرشار اور کچھ ایک بے نام محزونی کی ہم آغوشی میں گزراری تو اسے معلوم ہوا کہ لاہور میں وہ آخری شام اس پر کیوں بھاری تھی۔"(۱۵)

سری نگر ریاست جموں و کشمیر کا سب سے بڑا شہر اور گرمائی دارلحکومت ہے۔ دریائے جہلم اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ جھیل ڈل نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے ہوئے ہیں۔ ہر سال لاکھوں سیاح اس شہر کو دیکھنے آتے ہیں۔ ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" میں جا بہ جا اس شہر کے تذکرے ملتے ہیں جیسے:

"پلٹ کر دیکھتا ہوں تو سرینگر کو شالی مار کو جانے والی شاہراہ ہے اور ایک طرف نگین کا فیروزی مائل پانی جھمک کر رہا ہے کہنے کو سری نگر اور بڈگام بہت دور نہیں یہی کوئی دس قوس جنوب کا سفر۔"(۱۶)

ریاست جموں کشمیر کو قدرت نے جہاں قیمتی جنگلات کے دل فریب نظاروں سے نوازا ہے وہیں یہاں کی قیمتی نباتات کا بھی دنیا بھر میں شہرہ ہے، آج بھی ریاست جموں و کشمیر کے لوگ ان قدرتی نباتات کو علاج معالجہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کشمیر کے لوگ صحت مند بھی ہیں۔ اس کے پیچھے یقیناً ان قدرتی نباتات کا بھی حصہ ہے۔ ناول میں ان نباتات کے تذکرے یوں ملتے ہیں:

"ان کا خیال تھا کہ گرمی اور ابتہاج کے باعث معدے میں بخارات پیدا ہوئے اور ان سے پیچش نے سر میں درد اور گرانی قلب پیدا کر دی عرق بید مشق کے ساتھ خمیرہ گاوزبان عنبری کی ایک خوراک ابھی اور دوسری ایک ساعت کے وقفے کے ساتھ دے دی جائے اور مریض پوری طرح آرام کرے ان شاءاللہ یہی شافی وقافی ہوگا اگر رات کو نیند نہ آئے تو تلووں میں تھوڑے سے روغن بادام کی مالش کی جائے۔"(۱۷)

ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" میں کشمیر کے مقامات، کشمیر کی جھیلوں کا حسن، کشمیر کی پر کیف و مستانہ پرور فضا، عطرِ زعفران، قدرتی نباتات کے خط کش مناظر، جمالیاتی و ملکوتی و روحانی مراکز کا بیان موجود ہے۔ طلسماتی حسن کے باریک بینی سے تذکروں سے یقیناً دنیائے ادب میں کشمیر کی تاریخی، سیاسی، تہذیبی و ثقافتی اور تمدنی

وقار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ کشمیر کے رسوم و رواج اور روایات کا خوب صورتی سے بیان ناول کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔ بلاشبہ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی نے ناول میں اپنی پلکوں کی محرابوں سے جو کشمیر کے فلک بوس کوہساروں، دل نشین چمن زاروں، پر کیف جھیلوں، دل کش مرغزاروں، گنگناتے آبشاروں، خوب صورت مقامات، مختلف قسم کے پیشوں، مسکراتے چشموں، کھلکھلاتی ندیوں اور گل پوش وادیوں کے بہار آفریں سبزہ زاروں میں جھانک کر کشمیریت سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے، یقیناً ناول کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اعجاز احمد، اردو ادب میں کشمیر، (لاہور: شعبہ اردو، اورینٹل کالج، ۲۰۰۹ء)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ص ۴۵

۲۔ افضال عالم، مقدمہ: شمس الرحمن فاروقی کے ناول کئی چاند تھے سر آسماں کی فرہنگ، غیر مطبوعہ مقالہ آزاد جموں و کشمیر یونی ورسٹی مظفر آباد، ص ۲۳

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سر آسمان، (کراچی: فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۳

۴۔ ایضاً، ص ۷۰

۵۔ ایضاً، ص ۷۷

۶۔ ایضاً، ص ۷۲

۷۔ ایس۔ ایم ناز، تصویر کشمیر، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۳ء)، ص ۸۸

۸۔ کئی چاند تھے سر آسمان، ص ۱۳۳

۹۔ ایضاً، ص ۷۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۹